تعارف و تبصرہ

فقہائے ہند۔ جلد دوم (نویں صدی ہجری)

تالیف : محمد اسحاق بھٹی۔

صفحات : ۲۶۴ - سائز ۲۲ × ۱۸ / ۸

قیمت : گیارہ روپے ۵۰ پیسے

شائع کردہ : ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور

برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی علمی و ثقافتی تاریخ پر متعدد کتابیں اردو زبان میں شائع ہو چکی ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس کتاب میں ہندوستان میں نویں صدی ہجری کے ۱۰۵ فقہاء کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں۔ اور ان کی علمی، تدریسی و تبلیغی خدمات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے اس کتاب کی پہلی جلد شائع ہو چکی ہے جو آٹھویں صدی ہجری تک کے فقہاء کے حالات پر مشتمل ہے۔ مصنف نے چودھویں صدی تک کے فقہائے ہند کے حالات قلمبند کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ (ص ۷۸)

کتاب کے شروع میں ایک مبسوط مقدمہ ہے جس میں مسلمان امراء و سلاطین کی علم دوستی کے پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے اور اس میں مصنف نے تفصیل سے یہ بتلانے کی کوشش کی ہے کہ مسلمان حکمران اپنے دور کے علماء کو کس احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ سلطان احمد شاہ بہمنی کے دور میں ملا احمد قزوینی کی اسلامی سلطنت کے زوال کے اسباب پر تقریر نہایت اہم ہے (ص ۱۷) مقدمہ میں غیر ضروری باتیں بہت ہیں جن سے غالباً مصنف کا مقصد محض طول دینا ہے۔

ان فقہائے کے حالات پڑھنے سے عام تاثر یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ علماء فقیہ کم تھے اور شیخ طریقت و صوفی زیادہ۔ ان کے تمام تر حالات، ریاضت، مجاہدہ، کشف، کرامات اور خوابوں پر مشتمل ہیں۔ ان کی فقہی خدمات و کارنامے کہیں کہیں نظر آتے ہیں ان میں سے اکثر وہ ہیں جن کی سرے سے کوئی تصنیف ہی نہیں یا اگر تصانیف ہیں بھی تو زیادہ تر تصوف پر، فقہ پر کوئی قابلِ ذکر کتاب انھوں نے نہیں لکھی۔ اسی لیے مصنف کو اکثر فقہائے کے حالات لکھنے کے بعد آخر میں یہ بات بار بار کہنا پڑی کہ " جو اگرچہ کسی فقہی کتاب کے مصنف تو نہ تھے مگر مسائل فقہ پر عبور رکھتے تھے" (ص ۲۰۰) مسائل فقہ پر عبور کا علم بھی ان کی تصانیف سے ہی ہو سکتا ہے۔ ہمارے تذکرہ نویسوں کی عام طور پر یہ عادت ہے کہ وہ علماء کے حالات قلمبند کرتے ہوئے ان کو مختلف القاب سے نوازتے ہیں۔ محدث، فقیہ اور اصولی کہنا تو بہت معمولی بات ہے۔ فاضل مصنف نے بعض ایسے علماء کا تذکرہ بھی لکھا ہے جن کے حالات میں یہ بھی ذکر نہیں کہ وہ فقیہ بھی تھے یا نہیں (ملاحظہ "تذکرہ سعد الدین لکھنوی (ص ۱۹)

مصنف نے اپنی کتاب میں ہمیں یہ نہیں بتایا کہ ان کے نزدیک فقیہ ہونے کے لیے معیار کیا ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تذکرہ نگاروں نے جن علماء کو فقیہ و اصولی لکھ دیا مصنف نے بھی ان کو فقہاء کی فہرست میں شمار کر لیا۔ مقدمہ کے آخر میں مصنف نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس دور میں صوفیاء اور مشائخ کے لیے ظاہری علوم سے آراستہ ہونا اس لیے ضروری تھا کہ کوئی مرشد انھیں اس کے بغیر اپنے حلقہ ارشاد میں داخل نہیں کرتا تھا۔ علاوہ ازیں ان میں سے اکثر علماء مدرس تھے یا مسند افتاء پر فائز تھے۔ اس لیے ان کو فقہا میں شامل کیا گیا۔ (ص ۷۹) مصنف نے فقہائے ہند کے نام سے علیحدہ تاریخ مرتب کرنے کا محض یہ جواز فراہم کیا ہے۔ ورنہ صوفیائے ہند، محدثینِ ہند، مفسرینِ ہند و متکلمین ہند حکمائے ہند وغیرہ ناموں سے اگر علیحدہ علیحدہ کتابیں لکھی جائیں تو کم و بیش انہی فقہائے کرام کے حالات لکھنا ہوں گے۔

مصنف کے جواب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان فقہائے کے یہاں ظاہری علوم کی حیثیت ثانوی تھی۔ اگر ان فقہائے کرام کو حلقۂ ارشاد میں ان علوم سے آراستہ ہوئے بغیر داخلہ مل جاتا تو معلوم نہیں وہ ان علوم کو حاصل کرتے یا نہیں ۔ ؟

علمائے ہند کے حالات پر جو عام تذکرے اور تاریخیں اب تک مرتب ہو چکی ہیں ہمارے خیال میں وہ کافی ہیں۔ تاہم تحقیقی و تخلیقی کام کے لیے دروازہ کبھی بند نہیں ہوا۔ محدثین، فقہا اور مفسرین وغیرہ کی

حد بندی کرکے ان کے علیحدہ حالات مرتب کرنا محض تکرار معلوم ہوتا ہے اس سے بہتر ہے کہ کسی ایسے موضوع پر تحقیقی کام کیا جائے جو ہنوز تشنہ ہو۔

مصنف نے اس کتاب میں بیشتر مقامات پر تذکرہ نگاروں کے بیانات اور روایات کو نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے وہ اپنی رائے و بصیرت سے بہت کم فیصلہ کرتے ہیں۔ مثلاً قاضی شہاب الدین احمد دولت آبادی کی تاریخ وفات میں تذکرہ نگاروں کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے (ص ۱۲۷) مصنف نے وہ سب تاریخیں جو ان کے بارے میں بیان کی جاتی ہیں نقل کر دی ہیں۔ لیکن اپنی تحقیق، رائے و فہم سے اس کا فیصلہ نہیں کیا کہ ان میں کونسی درست ہے۔

فتاویٰ حمادیہ کی ترتیب کے بارے میں مصنف نے یہ نقل کیا ہے کہ قاضی حماد الدین نے مفتی رکن الدین اودالی کے بیٹے کے ذمے یہ خدمت سپرد کی کہ "وہ ایسی کتاب مرتب کریں جو ان مسائل فقہی پر مشتمل ہو جن پر جمہور فقہاء کا اجماع ہے اور جس کے مندرجات عقل و درایت کی میزان پر پورے اترتے ہیں (ص ۱۸۱ - ۱۸۲) اس کے بعد مصنف نے کتاب کے جن مضامین و عنوانات کی فہرست نقل کی ہے وہ وہی ہیں جن میں فقہا کے درمیان اختلاف ہے۔ فقہ کے فروعی مسائل کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ فلاں مسئلہ پر فقہاء کا اجماع ہے۔ ابن حزم نے مراتب الاجماع کے نام سے ایک ایسی ہی کتاب لکھی ہے لیکن اس میں وہ مسائل ہیں جن پر زیادہ سے زیادہ ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ تاریخ میں ائمہ اربعہ ہی مجتہدین نہیں تھے ان سے پہلے اور ان کے زمانہ میں ایسے بے شمار مجتہدین گذرے ہیں جنہیں ان مسائل پر اختلاف تھا۔ اسی لیے امام شافعی نے اجماع خاصہ کا انکار کیا ہے اور اجماع عامہ صرف فرائض میں بتایا ہے۔ بہرحال فتاویٰ حمادیہ کی فہرست موضوعات سے اس بات کی نفی ہوتی ہے کہ یہ کتاب ان مسائل پر مشتمل ہے جن پر جمہور فقہا کا اتفاق ہے۔ یہ مسائل کہاں تک عقل و درایت کی میزان پر پورا اترتے ہیں، اس کا اندازہ کتاب کے مطالعہ کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔

مولانا خواجگی کڑوی کے حالات میں مصنف نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ فرمایا کہ مشارق الانوار کی تمام احادیث صحیح ہیں (ص ۲۷۱) اگر اس قسم کی روایات کو تسلیم کر لیا جائے تو احادیث کی تصحیح کا مسئلہ بہت آسان ہو جاتا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب میں فقہاء کرام کے حالات میں اس قسم کے کشف و کرامات کے واقعات بکثرت

بیان کئے گئے ہیں۔

کتاب کے آخر میں مراجع کی ایک طویل فہرست شامل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے انتہائی محنت و جانفشانی سے فقہائے کرام کے حالات مرتب کئے ہیں ان کی یہ سعی بلاشبہ قابل ستائش ہے۔

(احمد حسن)

انتخابِ گنج شریف

تصنیف : سید حاجی محمد نوشہ گنج بخش

تدوین : سید شرافت نوشاہی

صفحات : ۳۵۲ $\frac{۲۲ \times ۱۸}{۸}$

قیمت : ۲۷/- روپے

ناشر : دار المؤرخین، گیلانی سٹریٹ، منور عزیز پارک۔ چاہ میراں لاہور

حضرت نوشہ گنج بخش قادری (۹۵۹ ـ ۱۰۶۴ھ/۱۵۵۲ - ۱۶۵۴م) تصوف کے ایک نئے سلسلہ "نوشاہیہ" کے بانی ہیں اور ان کا شمار برصغیر کے اکابر اولیاء و مبلغینِ اسلام میں ہوتا ہے زیر تبصرہ کتاب کی دریافت سے موصوف کی شخصیت کا ایک اہم پہلو سامنے آیا ہے اور وہ ان کا عظیم شاعر ہونا ہے۔

"گنج شریف" سید شریف احمد شرافت نوشاہی کی تحقیق کا ثمرہ ہے جو انہوں نے متعدد مخطوطات کی بنیاد پر مرتب کی ہے۔ یہ کتاب اردو اور پنجابی کے چھ ہزار چار سو اشعار پر مشتمل ہے زیر نظر کتاب صرف اردو کے دو ہزار چار سو اشعار کا مجموعہ ہے۔

کتاب کے آغاز میں "چند سطور گنج شریف کے بارے میں" کے عنوان سے ڈاکٹر سید عبد اللہ نے اس کو تین خصائص کی بنا پر اہم قرار دیا ہے۔ اوّل تصوّف کی کتاب کی حیثیت سے، دوم اردو تصنیف کی قدامت کے لحاظ سے اور سوم پنجاب میں اردو کے لحاظ سے۔ ڈاکٹر صاحب مذکور نے اس کی دوسری اور تیسری خصوصیت کا بطور خاص تذکرہ کیا ہے۔

"گنج شریف کے مل جانے سے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اردو شاعری پنجاب میں دکن کے بعد نہیں شروع ہوئی بلکہ دکن اور پنجاب میں اردو شاعری کا آغاز ایک ساتھ ہوا اور اگر اس سے بھی پہلے کہیں تو